ترکی میں احیائے اسلام کی موجودہ حالت

دورۂ ترکی کے مشاہدات

از جناب خلیل حامدی صاحب

(۵)

جامع ایوبؓ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا مزار مبارک ایک وسیع اور کشادہ عمارت کے اندر ہے۔ کاشی کے کام نے عمارت کو حُسنِ باطن کے ساتھ ساتھ حُسنِ ظاہر کا پیکر بھی بنا دیا ہے۔ مزار شریف کے ساتھ ہی مسجد ہے جسے جامع ایوبؓ کہتے ہیں۔ اور یہ اُن چند مساجد میں سے ایک ہے جو خلفائے آلِ عثمان کی اسلام سے وابستگی کی لازوال یادگاریں سمجھی جاتی ہیں۔ تُرکی زبان میں مسجد کا لفظ بہت کم سننے میں آتا ہے۔ جسے ہم مسجد کہتے ہیں ترک اُسے جامع کہتے ہیں۔ پچھلے صفحات میں عرض کر چکا ہوں کہ حضرت ابو ایوبؓ اُس لشکر میں شریک تھے جسے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ۴۸ھ (۶۶۸ء) میں قسطنطنیہ پر حملہ کے لیے روانہ کیا تھا۔ محاصرہ کے دوران حضرت ابو ایوبؓ کا انتقال ہو گیا۔ وفات سے پہلے انہوں نے یہ وصیت فرمادی تھی کہ میری میت کو قسطنطنیہ کی دیواروں سے جس قدر قریب لے جا کر دفن کیا جا سکے دفن کر دیا جائے۔ چنانچہ آپؓ کی وصیت کے مطابق قسطنطنیہ کی فصیل سے متصل آپ کو دفن کر دیا گیا اور جب اسلامی فوج نے محاصرہ اٹھایا تو اعلان کر دیا گیا کہ اگر اس قبر کو کوئی گزند پہنچا تو شام یا اسلامی دنیا میں کسی مسیحی عمارت کو محفوظ نہ چھوڑا جائے گا۔ سلطان محمد فاتح نے جب ۱۴۵۳ء میں قسطنطنیہ فتح کیا تو فتح کے تیسرے روز ایک بزرگ نے حضرت ابو ایوبؓ کے مرقد مبارک کا سراغ لگایا اور وہاں آپ کا مقبرہ اور ... تعمیر کی گئی۔ اس جلیل القدر صحابیؓ کی قبر کے انکشاف سے فاتح عثمانی لشکر کے اندر مسرت و انبساط کی لہر دوڑ گئی۔ مؤرخین کے بیان کے مطابق ہر لشکری اس احساس میں ڈوب گیا کہ اس فتح کے

اصل فائدہ وہ مقدس صحابی ہیں جو ۸ سو سال سے فصیلِ قسطنطنیہ کے پاس اس اسلامی لشکر کا انتظار کر رہے ہیں جو اس فصیل کو عبور کرے گا۔

سلطنت عثمانیہ کے بانی عثمان اوّل (۱۲۹۰ء تا ۱۳۲۶ء) کی جو تلوار آلِ عثمان کے پاس نسلاً بعد نسل چلی آرہی تھی، محمد الفاتح نے وہ تلوار جامع ایوبؓ میں رکھوا دی۔ محمد الفاتح کے بعد جو سلطان بھی سریر آرائے سلطنت ہوتا وہ جامع ایوبؓ میں حاضری دیتا اور اس تلوار کو حمائل کرتا۔ دنیا پرست سلاطین تاجپوشی کے وقت جو مسرفانہ تقریبیں منعقد کرتے ہیں اور جس جاہ و جلال کی نمائش کرتے ہیں، عثمانی سلاطین ان کے برعکس اس روایت کے پابند رہے ہیں کہ تخت نشینی کے وقت سلطان باوضو ہوکر مسجدِ ایوبؓ میں حاضر ہوتا، دو رکعت نماز ادا کرتا اور مسجد کے امام صاحب کے ہاتھ سے سیفِ عثمانی لے کر گلے میں حمائل کرتا۔ اسی طرح جب کوئی لشکر جہاد کے لیے نکلتا تو سالارِ لشکر اس موقع پر بھی امام کے ہاتھ سے اس تلوار کو لیتا اور یہ عہد کرتا کہ "تلوار اسلام کی محافظ رہے گی اور اسلام تلوار کا محافظ رہے گا"۔ اس کے بعد تکبیر و تہلیل کے نعروں کے ساتھ وہ اپنی سپاہ کو لے کر جہاد کے لیے روانہ ہو جاتا۔

جامع ایوبؓ میں نمازیوں اور زائرین کا ہر وقت ہجوم رہتا ہے۔ رمضان کے مہینے میں استنبول کی روح اس مسجد میں کھنچ آتی ہے۔ قرّاء کی جماعتیں باری باری تلاوتِ قرآن میں مصروف رہتی ہیں۔ ترکوں کو قرآن پڑھنے اور قرآن سننے کا بڑا شوق ہے۔ نمازوں کے اوقات کے علاوہ بھی لوگ صرف قرآن سننے کے لیے مسجد میں آتے ہیں۔ اور ہمہ تن گوش ہوکر کلامِ خداوندی کو سنتے ہیں۔ عورتوں کا بھی بڑا رجوع ہے۔ مغربی لباس میں ملبوس عورتیں جب مسجد میں داخل ہوتی ہیں تو ٹانگوں کو لمبے گون یا سیاہ جرابوں سے ڈھانک لیتی ہیں اور سروں پر رومال باندھ لیتی ہیں۔ پورا ماحول خشیت اور تقدس کی فضا سے معمور ہوتا ہے۔ مزارِ ایوبؓ کی طرح جامع ایوبؓ بھی تعمیر کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ گنبدوں کے جھرمٹ اور پچی کاری کے کمالات دیکھتے آنکھیں نہیں تھکتیں۔ بے اختیار اس ترکی معمار کے حق میں کلماتِ تحسین زبان پر جاری ہو جاتے ہیں جس کے فن نے محمد الفاتح کی اس مخلصانہ کوشش کو چار چاند لگا دیے۔ مسجد کے ایک منقش کمرے میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک کے تبرکات رکھے ہوئے ہیں۔ اس ذخیرے کے تقدس کی وجہ سے

پرہیزگار ترک اس مسجد میں حضرت ممدوح کے سبب سے آتے ہیں۔ اور نیک نیت دلوں کی ایک جم غفیر رہتے ہیں۔

مزار ایوب جامع ایوب میں دوگانہ ادا کرکے ہم مزار شریف کی جانب سلام کے لیے گئے۔ مزار کا وسیع و عریض صحن زائرین کے لیے ناکافی ہو رہا تھا۔ قبر مبارک ایک بڑے کمرے کے اندر ہے۔ لوگ ایک دروازے سے داخل ہوتے ہیں اور دوسرے سے نکلتے ہیں۔ سلام کہنے والے مردوں اور عورتوں کی دو لمبی قطاریں لگ رہی تھیں۔ ۲۰۔۲۵ کی تعداد میں زائرین اندر داخل ہوتے اور سلام اور مختصر سی دعا کے بعد پہرہ دار سپاہیوں کے معمولی اشارے سے واپس ہو جاتے۔ پاکستانی زائر ہونے کی وجہ سے مجھے قطار کی پابندی سے مستثنیٰ کر دیا گیا۔ اندر داخل ہوا اور اس جلیل القدر صحابی کو، جو آج ترکی کی تمام ملت مسلمہ کے دینی جوش و جذبہ کا محرک بنا ہوا ہے، سلام مسنون پیش کیا۔ یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ قبر خوش عقیدہ لوگوں کے تصرفات سے محفوظ ہے۔ کوئی نذر نیاز نہیں، گل پاشی و شمع افروزی نہیں، طواف و سجود نہیں۔ پر وقار سکوت چھا رہا ہے۔ لوگ پورے احترام اور وقار کے ساتھ دم سادھے سلام کرتے ہیں اور چند لمحات کے بعد نکل جاتے ہیں۔ ترک قوم کے اندر مجموعی طور پر جو نفاست اور سلیقہ شعاری پائی جاتی ہے وہ ہر جگہ نمایاں ہے۔ ساتھیوں نے بتایا کہ حضرت ابو ایوبؓ کا جسم مبارک سونے کے ایک جڑاؤ صندوق کے اندر ہے جو قبر کے اندر رکھا ہوا ہے۔ قبر کی ساخت ترکی طریقے کے مطابق سر کی جانب سے اونچی اور پاؤں کی جانب سے کافی پست ہے۔ ترکان جنگ آزما کا یہ قدیم عقیدہ ہے کہ زندگی کی طرح موت بھی نشیب و فراز سے بھری ہونی چاہیے۔ حضرت ابو ایوب انصاری کا وہ مکان جس میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت مدینہ کے وقت پہلی مرتبہ اترے تھے اُسے بارہا مدینہ منورہ میں دیکھا ہے۔ یہ مکان آنحضورؐ کے روضۂ اقدس سے چند قدم کے فاصلے پر ہے اور آج بھی اسی بزرگ خانوادہ کے ایک فرد ابو المحمود انصاری کے پاس ہے۔ اب خود حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ کی زیارت بھی نصیب ہو گئی۔ والحمد للہ

ایا صوفیا استنبول کی بعض دوسری مسجدوں کی بھی طائرانہ زیارت کی۔ مگر خاکسار کے دل میں ایک نہایت قدیم آرزو چٹکیاں لے رہی تھی۔ وہ تھی جامع ایا صوفیا کی زیارت۔ یہ تاریخی جامع جسے اب ترکی کی سرکاری زبان میں ایا صوفیا میوزیم کہا جاتا ہے، اور ترکی کے مسلمان جامع ایا صوفیا کہتے ہیں، استنبول کے یورپی حصہ کے اندر منطقہ فاتح میں واقع ہے۔ نماز عصر سے آدھ گھنٹہ پیشتر ہم جامع ایا صوفیا میں داخل ہو گئے۔ چونکہ یہ جامع

اب سرکاری طور پر میوزیم میں تبدیل ہو چکی ہے اس میں داخلہ بذریعہ ٹکٹ ہوتا ہے اور اُن آداب و حدود کی پابندی نہیں کرائی جاتی جو مسجد کے لیے مخصوص ہیں۔ ایا صوفیا کیا ہے؟ انسان کی قوتِ تخلیق کا ایسا نگار خانہ جس میں حسن و جمال بھی نقطۂ کمال کو چھو رہا ہے اور تقدس و روحانیت کا سیلِ نور بھی موجزن ہے۔ چار میناروں کی مسجد آٹھ بھاری ستونوں پر قائم ہے۔ درمیان میں کانسی کی دیو ہیکل قندیلیں آویزاں ہیں پورا صحن اور دیواریں قیمتی پتھروں سے مرصع ہیں۔ یہ پتھر مصر سے منگوائے گئے تھے۔ اندر نماز کی جگہ پر ابھی تک قالین بچھے ہوتے ہیں۔ محراب میں امام کا مخصوص یونیفارم (سیاہ گون اور لال ٹوپی) رکھا ہوا ہے۔ صفوں میں ترکی مسجدوں کے رواج کے مطابق صد دانہ تسبیحیں بکھری پڑی ہیں۔ گویا خدا کے پرستاروں کی کوئی جماعت ابھی ابھی عبادت سے فارغ ہو کر اٹھی ہے۔ در و دیوار پر قرآن کی آیات، اسمائے حسنیٰ اور خلفائے راشدین کے اسمائے گرامی کندہ ہیں۔ بیرونی صحن میں وضو کرنے کی ٹنکی نصب ہے جو گول دائرے کی شکل میں ہے اور چاروں طرف وضو کے لیے نشستیں بنی ہوئی ہیں۔ عثمانی خلفاء کو مذہبی عمارات اور بالخصوص مساجد کی تعمیر سے جو دلچسپی تھی اُس کا صحیح عکس حرمِ مکی اور حرمِ نبوی کے بعد ایا صوفیا میں دیکھا جا سکتا ہے۔

تاریخی پس منظر ایا صوفیا کی تعمیر ۵۳۲ء میں قیصر قسطنطین کے عہد میں ہوئی تھی۔ اس کے افتتاح پر قسطنطین نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ ایا صوفیا عظمت میں ہیکلِ سلیمانی پر فوقیت رکھتا ہے۔ قسطنطین کے ان الفاظ کا مدعا یہ تھا کہ یہودیت کے مقابلے میں عیسائیت برحق ہے۔ قسطنطین نے ایا صوفیا کو بظاہر آرتھوڈکس کلیسا کا نام دیا مگر یہ درحقیقت صلیبی حکومت کے سربراہ کا مرکز تھا اور اسے نہ صرف مذہبی حیثیت تھی بلکہ سیاسی اہمیت بھی حاصل تھی۔ سلطان محمد الفاتح نے ۱۴۵۳ء میں جب قسطنطنیہ پر حملہ کیا تو قیصر نے ایا صوفیا کو مرکز بنا کر سلطان کا جان توڑ مقابلہ کیا۔ قسطنطنیہ کی فتح کے بعد سلطان نے ایا صوفیا کی اسی سیاسی اہمیت کے پیشِ نظر اسے کسی دوسرے تصرف میں لانے کے بجائے مسجد میں تبدیل کر دیا۔ قسطنطنیہ میں محمد فاتح کا داخلہ ۲۹ مئی ۱۴۵۳ء کو ہوا تھا۔ یہ جمعہ کا روز تھا۔ ظہر کے قریب سلطان اپنے وزراء اور اُمراء کے ساتھ شہر میں داخل ہوا۔ ایا صوفیا کے پاس پہنچ کر وہ گھوڑے سے اُترا اور اُس عالیشان معبد کے اندر چلا گیا جس میں گیارہ سو برس سے تین خداؤں کی پرستش ہو رہی تھی۔ سلطان نے مؤذن کو حکم دیا کہ اللہ کے بندوں کو اس کی عبادت کے لیے آواز دے۔ اور

حسب معمول نمازِ جمعہ خطبہ جمعہ دینے کے بجائے اپنے شیخ الاسلام کو خطبہ دینے اور امامت کرنے کا حکم دیا۔ شیخ الاسلام نے حمد و ثنا کے بعد فتح قسطنطنیہ سے متعلق آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث پڑھی کہ: لتفتحن القسطنطینیۃ فلنعم الامیر امیرھا ولنعم الجیش جیشھا شیخ الاسلام نے فتح کی بے پایاں خوشی کے باوجود صحابہؓ کے احترام کے پیش نظر اس حدیث کی وضاحت میں کہا کہ فتح قسطنطنیہ کی ابتداء اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے۔ اس کا اصل سہرا اُن بزرگ ہستیوں کے سر ہے۔ عثمانی مجاہدین اس فتح کی محض تکمیل کرنے والے ہیں۔ سلطان محمد الفاتح اور آپ کے ساتھیوں نے دنیا پرست فاتحین کے برعکس قسطنطنیہ پر اپنے اقتدار کا آغاز خدا کے حضور سرافگندگی سے کیا۔ سلطان نے اعلان کر دیا کہ ایا صوفیا میں آج سے تین خداؤں کے بجائے صرف ایک خدا کا نام بلند ہوا کرے گا۔ ایا صوفیا کے صدر دروازے کی پیشانی پر سلطان نے مذکورۂ بالا حدیث بھی ایک پتھر پر نقش کروا دی۔ یہ حدیث آج بھی ہر زائر کی نگاہ اولین کا مرکز بنتی ہے۔

ایا صوفیا اور ترک مسلمان | مصطفیٰ کمال پاشا کے عہد میں ایا صوفیا کی اسلامی حیثیت کو ختم کر دیا گیا اور اسے مسجد کے بجائے میوزیم قرار دے دیا گیا۔ مسلمانوں کی طرف سے اس ناروا اقدام پر سخت ناراضگی کا اظہار کیا گیا مگر لسندو اور روشنت انگیزی کی جو شمشیر اندھا دھند اسلام کی ہر روایت کو کاٹتی چلی جا رہی تھی اس نے یہاں بھی ملتِ اسلامی کے جذبات کی کوئی پروا نہ کی۔ اب جب کہ ترکی میں اسلام نے کروٹ لی ہے ایا صوفیا کو واگذار کرانے اور اسے بحیثیت جامع بحال کرنے کا مطالبہ بھی شدت پکڑتا جا رہا ہے۔ میرے ساتھی نائف آفندی، پروفیسر عزیر اور عبدالنادر سیزگین مجھے ایا صوفیا کے بارے میں برابر مستند معلومات فراہم کرتے رہے۔ انہوں نے بتایا کہ کچھ عرصہ پہلے کی بات ہے کہ پاپائے روم نے کیتھولک چرچ اور آرتھوڈکس چرچ میں اتحاد پیدا کرنے کے لیے ترکی کا دورہ کیا اور اس دورہ میں اس نے نہ صرف ایا صوفیا کی زیارت کی بلکہ کیتھولک عقیدے کے مطابق باقاعدہ مذہبی مراسم بھی ادا کیے۔ ترکی کے اخبارات میں جب یہ خبر چھپی تو مسلمانوں پر گویا بجلی گر پڑی۔ مسلمانوں کے بارے میں ترکی حکومت کا رویہ یہ تھا کہ اگر کوئی شخص جذبۂ دینی سے مجبور ہو کر ایا صوفیا میں نماز پڑھ لیتا تھا تو پولیس اُسے زد و کوب کرتی

اور اس کے خلاف مقدمہ دائر کی گئی تھی۔ مگر اب عیسائی سربراہ آزادانہ طور پر یہاں مذہبی مراسم ادا کرنے لگے۔ اُن کے اندر بھی شدید ردِ عمل ہوا۔ چنانچہ استنبول یونیورسٹی کے طلبہ کی یونین کی طرف سے یونین کے ممبروں کے نام یہ ہدایت جاری کی گئی کہ وہ ایا صوفیا میں نماز پڑھنے کے لیے فوراً جمع ہوں۔ طلبہ کے اس فیصلے کو سن کر نہ صرف سینکڑوں طلبہ بلکہ استنبول کے ہزاروں نوجوان ایا صوفیا پہنچ گئے اور نماز باجماعت ادا کی۔ شہر میں خاصی ہلچل مچ گئی۔ حکومت نے طلبہ کے لیڈروں کو گرفتار کر لیا۔ نائف آفندی نے بتایا کہ وہ بھی ان گرفتار شدگان میں شامل تھے۔ نائف آفندی نے بتایا کہ طلبہ کے لیڈروں نے حکومت کے گوش گزار کر دیا تھا کہ اگر ایا صوفیا کے اندر صلیب پرست اپنے مذہبی مراسم ادا کریں گے تو مسلمان بھی لازماً وہاں نماز ادا کریں گے۔
نائف صاحب سے یہ بھی معلوم ہوا کہ پچھلے چار سالوں سے ایا صوفیا کا مسئلہ انتہائی نزاکت اختیار کر چکا ہے، اور اب سرکاری کمیٹیاں اس بات کا جائزہ لے رہی ہیں کہ کیا ایا صوفیا کو مسجد میں تبدیل کیا جا سکتا ہے؟ عبدالقادر سیزگین نے ایک وزیر رفعت سیزگین کے بارے میں بتایا کہ اُس نے ایک بیان میں کہا ہے کہ "میں ترکی کے ایک شہری کی حیثیت سے یہ رائے رکھتا ہوں کہ بہتر یہ ہے کہ ایا صوفیا کو فی الفور مسجد کے طور پر استعمال کرنے کی اجازت دی جائے۔" دوستوں نے بتایا کہ ایا صوفیا کے بارے میں ترک مسلمانوں کے دل انتہائی زخم خوردہ ہیں۔ جس محفل میں ایا صوفیا کا ذکر آجاتا ہے لوگوں کی آنکھیں اشکبار ہو جاتی ہیں اور سینوں میں آتشِ غم کے شعلے فروزاں ہو جاتے ہیں۔ عبدالقادر سیزگین نے مجھے ایا صوفیا سے متعلق ترکی نظم کے چند اشعار بھی سنائے جو آج کل زبان زدِ عام و خاص ہیں۔ یہ نظم ترکی کے موجودہ نامور شاعر عثمان یوکسل کی ہے۔ ۱۹۵۳ء میں جب فتح استنبول کی پانصد سالہ سالگرہ منائی گئی تھی تو یہ نظم اُس وقت ترکی کے اخبارات میں چھپی تھی اور اس سے ایک دھوم مچ گئی تھی۔ جس روز یہ نظم اخبارات میں چھپی اُسی روز عثمان یوکسل گرفتار کر لیے گئے[1]۔ نائف آفندی نے مجھے یہ پوری نظم قلمبند کرا دی۔ پاکستان کے دوستوں کے لیے میں اس نظم کا اردو ترجمہ پیش کرتا ہوں:۔

---

[1] عثمان یوکسل پر باقاعدہ عدالت میں مقدمہ دائر ہوا۔ اور طویل بحثوں کے بعد عدالت نے موصوف کو بری کر دیا۔

اے ایا صوفیا! اے پرتوِ اسلام، اے ... اے ... یہ انتخاب مسلم، اے معبدِ زیبا!

ایا صوفیا! تو تنہا کیوں ہے؟ تجھ پر یہ کیسا سکوت طاری ہے؟

تیرے میناروں کی بلندیوں سے اب کیوں تکبیر کی آواز سنائی نہیں دیتی کیوں اب تیری طرف سے صدائے فلاح بلند نہیں ہوتی۔ وہ تیرا عہدِ پرشکوہ تیری جلوہ آرائی اور نور افگنی کدھر گئی؟

ایا صوفیا! تو میرے سوالوں کا جواب کیوں نہیں دیتی؟ اے ایا صوفیا، اے یگانہ و تنہا ایا صوفیا! اب تیرے منبرِ دُربار سے صدائے حق کیوں نہیں اُٹھتی؟ تیرے محراب کے دامن میں اب جبینیں کیوں خدا کے حضور سجدہ ریز نہیں ہوتیں۔

ایا صوفیا! کل تیری خاک نے ایمان سے لبریز مجاہدوں کے اشک خود اپنی آنکھ سے بہتے دیکھے تھے۔ اور آج تیرے فرشِ پاک کو کیسے لوگ پامال کر رہے ہیں۔

آہ اے ایا صوفیا! تیرے حق میں اس ظلم کا ارتکاب کس نے کیا ہے؟ اور کس نے بظاہر تجھ سے تیرا نور چھیننے کی جسارت کی ہے؟

تیری قرآن کی نوائے دلنشین جو دلوں کو لرزا دیتی تھی اب کہاں ہے؟

ایا صوفیا! تیرا چراغ کس نے گل کرنے کی حماقت کی؟ وہ کون نادان تھا جس نے قرآن کو معبدِ فاتح سے باہر نکال دیا اور تجھے کارگر ہتھیار سے محروم کر دیا؟

ایا صوفیا! برملا کہہ دے کہ ایک تباہ کار ہاتھ نے تیرے دل پر زخم کاری لگایا ہے۔ برملا کہہ دے کہ ایک پاگل شخص نے ایا صوفیا کو دوبارہ تنکدہ بنا دیا ہے۔

لیکن اے ایا صوفیا! اے معبدِ زیبا! ہم تجھے تنہا نہیں چھوڑیں گے، ہم بزرگ فاتح کے سپوت ہیں ہم عنقریب بتوں کو پاش پاش کر دیں گے اور تجھے دوبارہ مسجدِ پرشکوہ میں تبدیل کر دیں گے۔

اس وقت ہم ... کے ساتھ مل کر ... ہمارے

تُرکوں سے وضو کریں گے اور تجھے سجدوں سے بھر دیں گے اور تیرے چپے چپے
پر یکتا خالق کی بندگی بجا لائیں گے۔
وہ وقت آیا چاہتا ہے کہ تیرے خاموش گوشوں سے اللہ اکبر کی صدا اے
دل آویز بلند ہو گی اور اہلِ جہاں کے کانوں سے ٹکرائے گی۔
تب تمام دنیا یہ سمجھ جائے گی کہ محمد الفاتح از سرِ نو زندہ ہو گیا ہے۔

ترکوں کے دل کی دھڑکن! ایاصوفیا میں داخل ہو کر انسان عجیب کیفیت میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ راقم الحروف نے دل میں ٹھان رکھی تھی کہ ایاصوفیا کی زیارت کسی تاریخی اثر یا میوزیم یا فنِ تعمیر کا قابلِ دید نمونہ ہونے کی بنا پر نہیں کروں گا بلکہ مسجدِ اسلام کی حیثیت سے کروں گا۔ چنانچہ ایاصوفیا میں داخل ہونے کے بعد سب سے پہلا کام یہ کیا کہ محراب کے پاس دوگانہ ادا کیا اور قبل اس کے کہ پولیس کے محافظ دستے کو اطلاع ہوتی دوگانہ سے فارغ ہو گیا۔ ایاصوفیا کا اندرونی ہال سیاحوں اور زائرین سے بھرا ہوا تھا۔ میرے نماز ادا کرنے پر یہ لوگ برابر مجھے معنی خیز نگاہوں سے دیکھتے رہے اور جب تک میں مسجد کے اندر رہا چہ میگوئیاں ہوتی رہیں۔ نائف آفندی نے بتایا کہ ترکی کے بکثرت نوجوان مُہم کے طور پر یہاں آکر نماز پڑھتے ہیں اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایک نوجوان نماز پڑھ رہا ہوتا ہے اور اس کی پُشت پر پولیس کا سپاہی بید زنی کر رہا ہوتا ہے۔ مجھے استنبول، انقرہ اور قونیہ میں کئی ایسے نوجوان ملے جنہوں نے مجھے فخر سے بتایا کہ وہ ایاصوفیا میں بحالتِ نماز پولیس کے بید کھانے کی سعادت حاصل کر چکے ہیں اور متعدد اس جرم میں ۳ ماہ اور ۶ ماہ کی قید بھی بھگت چکے ہیں۔ مگر اب یہ معاملہ منتظمین کے ہاتھ سے نکلتا جا رہا ہے۔ افراد کے بجائے اب نوجوانوں کے گروہ ایاصوفیا میں نماز کے لیے جاتے ہیں اور اس بارے میں پولیس کے تشدد اور قانون شکنی کی پروا نہیں کرتے۔ حال ہی کی بات ہے کہ استنبول یونیورسٹی کے ۰۰، طلبہ ایاصوفیا میں گھس گئے اور نماز باجماعت ادا کی۔[1] میرا اندازہ ہے کہ ایاصوفیا ترکی میں اسلامی انقلاب کا نقطۂ انفجار ثابت ہو گی کیونکہ یہ مسجد ترک نوجوانوں کے دل کی دھڑکن بن چکی ہے۔

ایاصوفیا کا ماضی، موجودہ اس کا حال اور ترکی مسلمانوں کا اس سے لگاؤ اور اس کی رُوح پرور فضا اور تعمیری حیثیت کا جائزہ لینے کے لیے کافی وقت درکار ہے۔ ایک گھنٹہ یا دو گھنٹے اس کے لیے ناکافی ہیں۔ ایاصوفیا سے

[1] ملاحظہ ہو روزنامہ اتحاد استنبول ۲۹ اپریل ۱۹۶۹ء ۵۶

باہر نکلا تو آنکھیں آنسوؤں سے لبریز تھیں اور دل جذبات سے بہہ رہا تھا۔ ان الفاظ کے ساتھ ایا صوفیا کو سلامِ رخصت پیش کیا کہ جب دوبارہ استنبول میں حاضری ہوگی توانشاء اللہ تیرے میناروں سے نعرۂ توحید بلند ہو رہا ہوگا، خوش نوا قرآء تیرے گوشوں میں میٹھے نغمۂ سرمدی الاپ رہے ہوں گے اور ترکانِ باصفا کی جماعتیں تیرے دامن میں بحضورِ خدا جبہہ سائی کر رہی ہوں گی۔

مسجد نیلگوں نمازِ عصر کا وقت ہو چکا تھا۔ ایا صوفیا کے سامنے کی سڑک کے اُس پار مسجد سلطان احمد ہے۔ جسے مسجد نیلگوں بھی کہا جاتا ہے۔ نماز کے لیے ہم اس مسجد میں چلے گئے۔ یہاں بھی نمازیوں کا جمِ غفیر تھا۔ اکثریت نوجوانوں کی تھی۔ قرآء نوبت بہ نوبت قرآن کریم کی تلاوت کر رہے تھے۔ حاضرین کپڑے کی ٹوپیاں اوڑھے سرِ بجیب قرآن سننے میں محو تھے۔ ہیٹ ترکی کے قومی لباس کا ایک جزو ہے۔ مگر مسلمان جب مسجد میں آئے گا تو ہیٹ دروازے پر موجود محافظ کے حوالے کر دے گا اور اپنے نمبر کا ٹوکن لے لے گا۔ استنبول کی جو چیزیں زیارت کے قابل ہیں۔ اُن میں یہ مسجد نیلگوں بھی ہے۔ یہ دنیا میں وہ واحد مسجد ہے جس کے چھ مینار ہیں جو اس قدر کم چوڑے ہیں کہ بتایا جاتا ہے کہ دنیا کی کسی مسجد میں اتنی طوالت کے ساتھ اس قدر کم چوڑائی کے مینار نہیں ہیں۔ اسے سلطان احمد اوّل نے ۱۶۰۹ء تا ۱۶۱۶ء میں سات سالوں کے اندر تعمیر کروایا تھا۔ تعمیر کے دوران عجلت میں یہ حقیقت فراموش ہوگئی کہ چھ میناروں کا امتیاز روزِ اوّل سے مکہ مکرمہ کی مسجد الحرام کے لیے مخصوص ہے۔ مگر اب مسجد تیار ہو چکی تھی اور اس میں تبدیلی کا وقت نہیں رہا تھا اس لیے سلطان احمد نے اپنی مسجد کے مینار منہدم کرانے کے بجائے مسجد الحرام میں ایک مینار کا اضافہ کروا دیا اور اس کے سات مینار ہو گئے۔ اگر کسی مسجد کے مینار مسجد الحرام کے میناروں سے زیادہ ہوں تو شرعاً اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔ مگر عثمانی خلفاء جو حرمین شریفین کے سچے خادم تھے اور جن کے دل اسلام کی محبت سے منوّر تھے وہ چھوٹی چھوٹی باتوں کو بھی نظر انداز نہیں کرتے تھے۔ سلطان احمد کو یہ گوارا نہ تھا کہ اس کی مسجد کسی لحاظ سے مسجد الحرام پر فوقیت حاصل کرے۔ مسجد کا پورا فرش مرمر کی بڑی بڑی سلوں کا بنا ہوا ہے۔ گرانیٹ کے ۲۶ ستونوں نے گنبدوں کے سلسلۂ طویل کو اٹھا رکھا ہے۔ بڑا گنبد درمیان میں ہے۔ زائر جب مسجد کی دہلیز عبور

کر کے اندر قدم رکھتا ہے تو وہ ایک حیرت انگیز منظر میں ڈوب جاتا ہے اور اُسے محسوس ہوتا ہے۔ جیسے گنبدوں کی رَو اُس کے ساتھ ساتھ محو خرام ہے جو آخر کار درمیان کے بڑے گنبد میں جاکر گر جاتی ہے۔ عمارت کی خوبصورتی کو ہم عربی زبان میں یوں ادا کریں گے کہ آیۃ فی فن العمارۃ وفن الزخرفۃ۔ یہ عمارت جس معمار کا کرشمہ ہے اُس کا نام محمد آغا تھا۔ چونکہ مسجد کی دیواریں نیلے اور سبز نقوش سے مزین ہیں اس لیے اُسے مسجد نیلگوں کہا جاتا ہے۔ مسجد کے اندر حجرِ اسود کا ایک ٹکڑا بھی موجود ہے۔

ترکوں کی اصل طلب! نماز عصر کے بعد نمازیوں کا جمِ غفیر میری طرف لپکا۔ کوئی میرے ہاتھ کو بوسہ دیتا اور کوئی میرے لباس کو مس کرتا۔ اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ میں ترک نمازیوں کی نگاہ میں کوئی پیر مغاں تھا۔ بلکہ صرف اس وجہ سے کہ میں مسلمان اور پاکستانی ہوں۔ عبدالقادر سیز گین نے لوگوں کو یہ بھی بتا دیا کہ میں" پاکستان کے بڑے عالم دین، اور اسلامی مفکر اور خدا رسیدہ بزرگ کا شاگرد ہوں" تو پھر کیا تھا حاضرین کی عقیدت دو چند ہوگئی اور لگے ہاتھوں مجھے تقریر کی دعوت پیش کر دی گئی۔ حاضرین میں یونیورسٹی کے طلبہ اور بعض پروفیسر بھی تھے اور اکثریت تاجروں کی تھی۔ میں نے اُن لوگوں کے اصرار پر قرآن کریم کا ایک رکوع تلاوت کیا اور اُس کے بعض حصوں کی تشریح کر دی۔ اور یوں "جوابِ عقیدت" کے بارے سبکدوش ہُوا۔ میرا تجربہ یہ ہے کہ اگر کوئی صاحبِ دل ترکی کی سیاحت کو جائے تو اُسے پہلے سے تیار رہنا چاہیئے۔ کہ اُسے کسی بھی وقت تقریر کے لیے مجبور ہونا پڑے گا۔ کم ازکم ترک اس سے قرآن کریم کا کچھ حصہ یا کوئی عربی یا فارسی نعت یا مسنون دعائیں اور مناجاتیں سنے بغیر معاف نہیں کریں گے۔ اور اگر انہیں یہ محسوس ہوگیا کہ زائر کو مذہب سے دلچسپی نہیں ہے تو اُن کی دلچسپی بھی زائر سے کم ہو جائے گی۔ ترکی میں سیاحوں کی کمی نہیں ہے۔ دنیا بھر کے سیاحوں سے ترکوں کا پالا پڑتا ہے[1]۔ وہ سیاحوں کو ذریعۂ آمدنی سے زیادہ اہمیت نہیں دیتے۔ بے شک وہ سیاح کی بھرپور خدمت کرتے ہیں مگر مادی احساسات کے تحت۔ لیکن ترکوں کے دل میں وہی اُتر سکتا ہے جو اُن کے پاس اسلام کی سوغات لے کر جائے۔

---

[1] ترکی میں تقریباً ۷½ لاکھ سیاح سالانہ آتے ہیں۔ ان میں سے ۳ لاکھ کے قریب وہ سیاح ہیں جو صرف یورپ سے آتے ہیں۔

روز نامہ بگُن استنبول کے جن لوگوں سے مجھے ملنے کا بے حد شوق تھا اُن میں سے بگُن اخبار کے ایڈیٹر اور مالک محمد شوکت ایجی بھی تھے۔ روز نامہ بگُن جس کا اردو ترجمہ امروز ہے، پچھلے سال معرضِ وجود میں آیا ہے۔ مگر اس کی تند و تیز تحریروں اور حیرت انگیز انکشافات اور بے لاگ تنقیدوں نے پورے ترکی میں ہلچل مچا رکھی ہے۔ سعودی عرب اور لبنان کے اخبارات میں بگُن کی تحریروں کے عربی تراجم نظروں سے گزرتے رہے ہیں۔ ان سے اندازہ ہو رہا تھا کہ ترکی کے اسلامی محاذ میں ایک نڈر مجاہد کا اضافہ ہو گیا ہے۔ رابطۂ عالمِ اسلامی کے مرکزی دفتر (مکہ مکرمہ) کے ایک دوست نے بڑی تاکید کی تھی اور تعارفی خط بھی دے دیا تھا کہ میں محمد شوکت صاحب سے استنبول میں ضرور ملوں۔ چنانچہ میں نے نائلف آفندی سے اپنے ارادے کا اظہار کیا اور طے پایا کہ مغرب کے بعد بگُن اخبار کے دفتر میں جائیں گے۔ افطاری آج بھی مدرسۂ امام و خطیب میں تھی۔ افطاری سے پہلے کا وقفہ گزارنے کے لیے دوست مجھے ترک طلبہ کی فیڈریشن کے دفتر میں لے گئے۔ میرے لیے یہ بتانا مشکل ہے کہ کس شارع اور کس سمت یہ دفتر واقع ہے۔ یوسف صاحب کی موٹر اِدھر سے اُدھر لیے لیے پھرتی رہی اور میں موٹر کے اندر بیٹھا کبھی استنبول کے خوبصورت مگر خلیق، مغربی لباس میں ملبوس مگر جذبۂ ایمانی سے بھرپور لوگوں کے چہروں پر بھرپور نظریں ڈالتا، کبھی استنبول کی قدیم و جدید عمارتوں کے منظر سے اپنی بے تاب نگاہوں کی خدمت کرتا، کبھی ساتھیوں سے پوچھتا کہ سلاطین کا قدیم قصر توپ کاپی کہاں ہے، اسلامی میوزیم کہاں ہے۔ دولما باغچہ کا قصر کہاں ہے، بابِ عالی کہاں ہے، اور وہ چار جزیرے کدھر واقع ہیں جو شہزادوں کے جزیرے کہلاتے ہیں جن کا قدرتی حسن بلا کا فتنہ خیز بتایا جاتا ہے۔ اور کبھی ان سطحی باتوں سے ہٹ کر اسلامی آثار اور اسلامی کتب خانوں کا تذکرہ چھیڑ دیتا۔ کیفیت یہ تھی کہ ؎

زِ فرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم   کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ جا ایں جاست

ترک طلبہ کی تنظیمیں باتوں باتوں میں ہم ترک طلبہ کے وفاق ملّی کے مرکز میں پہنچ گئے۔ یہ ایک بڑی وسیع عمارت ہے جس کی دوسری منزل پر بہت کشادہ ہال ہے اور اطراف میں چھوٹے چھوٹے کمرے ہیں۔ جن میں دفاتر ہیں۔ نچلے حصے میں سیاحوں کی معلومات اور رہنمائی کا دفتر ہے جس میں طلبہ ہی رضاکارانہ

خدمات سرانجام دیتے ہیں۔ غیر ملکی زائرین کے لیے طلبہ کی یہ خدمت بڑی قابلِ قدر بلکہ قابلِ رشک ہے۔ دل میں بار بار یہ خواہش اٹھتی رہی کہ کاش اپنے ہاں بھی طلبہ کی تنظیمیں اس پہلو پر توجہ دیں۔ مرکز کی اس وقت مرمت اور صفائی ہو رہی تھی اس لیے بعض دفاتر بند تھے۔ وفاق ملی کے نائب صدر جناب حسین جوجکن سے ملاقات ہوگی۔ وفاق کے جنرل سیکرٹری بھی آ گئے۔ وقت اگرچہ کم تھا مگر دونوں بڑے تپاک سے ملے اور مولانا محترم کی صحت و عافیت دریافت کرنے لگے۔ وفاق کے نائب صدر اور جنرل سیکرٹری دونوں اسلام پسند ہیں۔ اگرچہ وفاق میں مختلف الخیال عناصر پائے جاتے ہیں مگر اسلام پسندوں کی بھی کمی نہیں ہے۔ وفاق کی طرف سے ایک ماہانہ رسالہ نکلتا ہے جس میں اسلامی مفکرین کے مضامین بھی چھپتے ہیں۔ حسین جوجکن مسکرا کر کہنے لگے کہ حضرت مودودیؒ ترکی آ رہے ہیں۔ ہم اُن کی آمد سے پہلے ہال کی صفائی کروا رہے ہیں۔ ان کی سب سے پہلی تقریر اسی ہال میں ہوگی۔ ہم چاہتے ہیں کہ حضرت کے شایانِ شان ہال کی سج دھج ہو اور ہماری قدیم آرزو طمطراق سے بروئے کار آئے۔ میں یہ سن کر دل میں سوچنے لگا کہ استنبول تو اپنی جگہ مولانا محترم کے استقبال کے لیے زور و شور سے تیاریاں کر رہا ہے مگر سوال یہ ہے کہ مولانا محترم اس حالت میں کیسے یہ بار اٹھا سکیں گے۔ حسین جوجکن جس خوشی میں مگن تھے میں نے یہ بتا کر اُسے مکدر کرنے کی کوشش نہیں کی کہ مولانا محترم کا ترکی ٹھہرنا یقینی نہیں ہے۔ حسین جوجکن نے بتایا کہ استنبول کے ہوائی اڈے پر مولانا محترم سے ان کی ملاقات ہو چکی ہے۔ مگر ۱۰ منٹ کی اس ملاقات نے آتش شوق کو تیز تر کر دیا ہے۔ میں نے بات کا رُخ موڑتے ہوئے حسین سے پوچھا کہ طلبہ میں اسلامی رجحانات کے فروغ کا کیا حال ہے؟ بتانے لگے کہ اسلامی رجحان برق رفتاری سے بڑھ رہا ہے اور طلبہ صاف طور پر دو گروہوں میں بٹتے جا رہے ہیں۔ ایک اسلام پسند اور دوسرا قوم پرست۔ مؤخر الذکر گروہ میں آزاد خیال، سوشلسٹ اور مغرب پرست تمام عناصر شامل ہیں اسلام پسندوں کا محاذ بڑے سنجیدہ، دلیر اور مخلص کارکنوں پر مشتمل ہے۔ دونوں کا مقابلہ زبردست ہے۔ اور دونوں مختلف انداز سے پنجہ آزمائی کرتے رہتے ہیں۔ حسین جوجکن بڑے اعتماد اور جگرداری کے ساتھ کہنے لگے کہ "مستقبل ہمارے ہاتھ میں ہے۔"

ترک طلبہ کی ایک اور تنظیم کا ذکر بھی مناسب معلوم ہوتا ہے۔ اس تنظیم کا نام ہے اسلامک انسٹی ٹیوٹ فیڈریشن آف ترک طلبہ۔ یہ بڑی جاندار تنظیم ہے۔ اس کی طرف سے "اسلام مدنیت" (تمدن اسلام) کے نام سے ایک ماہانہ میگزین بھی استنبول سے نکلتا ہے جس میں ترک اہل قلم کے علاوہ مولانا مودودی، مولانا ابوالحسن ندوی، شیخ یوسف قرضاوی، ڈاکٹر حمید اللہ اور اخوانی رہنماؤں کے مضامین بھی چھپتے رہتے ہیں۔ جہاں جہاں اسلامک انسٹی ٹیوٹ قائم ہیں اس تنظیم کی شاخیں موجود ہیں۔ یہ تنظیم اسلام کے احیاء کے لیے بڑی موثر کوششیں سرانجام دے رہی ہے۔ "اسلام مدنیت" میگزین جس معیار کا پرچہ ہے اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اس کا ستمبر ۶۸ء کا شمارہ فتح استنبول نمبر تھا اور محمد الفاتح کے ہاتھوں استنبول کی فتح کو ۵۱۵ سال گزرنے پر نکالا گیا تھا۔ اس طرح نزول قرآن کی چودہ صد سالہ تقریب پر بھی اس نے خصوصی نمبر نکالا تھا۔ مولانا مودودی جب لندن جاتے وقت استنبول کے ہوائی اڈہ پر ٹھہرے تھے تو اس تنظیم کے کارکنوں کا ایک وفد مولانا محترم سے ملا اور اس نے اپنی تنظیم کی طرف سے اپنے میگزین کا ایک سیٹ ترکی جھنڈے میں لپیٹ کر اس ٹائیٹل کے ساتھ مولانا محترم کی خدمت میں پیش کیا کہ BUYUK ISLAM MUCAHIDINE (اسلام کے مجاہد اعظم کی خدمت میں نذرانہ عقیدت)۔ میں نے اپنے ترک دوست صالح اوزجان سے دریافت کیا کہ ترکی جھنڈے کے اندر میگزین کو لپیٹ کر پیش کرنے میں کیا حکمت تھی؟ صالح اوزجان نے بتایا کہ "ترکی کا پرچم سرخ جس کے وسط میں سفید رنگ کا ستارہ و ہلال ہے اب سیکولرزم کا شعار نہیں اسلام کا شعار بنے گا"۔ طلبہ کی مذکورہ بالا دونوں تنظیمیں عربوں کی حمایت اور یہودیوں کی جارحیت کے خلاف آواز بلند کرتی رہتی ہیں۔ میرے رفیق نائف آفندی نے بتایا کہ اس ہال میں جون کے پہلے ہفتے میں یوم فلسطین منایا گیا ہے۔ اور ایک عظیم اجتماع منعقد کیا جا چکا ہے جس میں ۴ ہزار طلبہ شریک ہوئے تھے۔ مرکز کے بیرونی دروازے کی پیشانی پر ایک بینر لٹکایا گیا تھا جس پر لکھا ہوا تھا "فلسطین میں یہودیوں کے مظالم"۔ ایسے ہی ۲۵ بینر استنبول کی مختلف سڑکوں پر لگائے گئے تھے۔ اجتماع کمیٹی کی طرف سے مسئلہ فلسطین کے موضوع پر شہر میں وسیع پیمانے پر لٹریچر تقسیم کیا گیا۔ ہال کے اندر نمائش لگائی گئی جس میں فلسطینی مہاجرین اور نا پام بموں سے متاثر ہونے والوں کی تصاویر پیش کی گئیں۔ مختلف طریقوں سے یہ دکھایا گیا کہ یہودیوں کے آئندہ عزائم کیا ہیں۔ اسٹیج پر مسجد اقصیٰ کی بہت بڑی تصویر نصب تھی۔ مختلف مقررین نے تقریریں کیں۔ ترکی شعراء نے نظمیں سنائیں جنہیں سن کر

لوگ رو رہے تھے۔ الغرض طلبہ نے مسلمانوں کے اس اہم مسئلہ پر ترک ملت کو متوجہ کرنے کی پوری کوشش کی یہ ہے اُن مسلمان ترکوں کا رویہ جنہیں عرب برابر مطعون کرتے چلے آرہے ہیں۔

بقیہ اشارات

سے کوئی چیز بھی حاصل نہیں ہوتی۔ وہ مذہبی اجارہ داریوں کے تسلط سے آزاد ہوتی ہے تو صنعتی اور تجارتی اجارہ داریوں کے قبضے میں چلی جاتی ہے۔ وہ مذہبی روایات کے بندھن توڑتی ہے تو اجتماعیت کی جکڑ بندیوں میں جکڑی جاتی ہے۔ وہ عدل و انصاف کے حصول کے لیے ہاتھ پاؤں مارتی ہے تو اپنی متاعِ آزادی کھو بیٹھتی ہے آپ انسان کی محرومی کے اسباب کا جس قدر تجزیہ کریں گے ایک ہی نتیجے پر پہنچیں گے کہ اس کی بنیادی وجہ اجتماعی زندگی کی صورت گری کرنے والی طاقت پر شیطان کا قبضہ ہے۔ اگر قلب و دماغ کی تطہیر کے لیے خون کی طرح گردش کرنے والے اندر کے شیطان سے جنگ آزما ہونا ناگزیر ہے اور یہ ایمان کا بنیادی تقاضا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ جو شیطان خارج میں انسان کی پوری زندگی پر قابض ہو کر اسے کفر و الحاد کی راہ پر لے جا رہا ہے اس کے خلاف صف آرا ہوا جائے۔

جماعت اسلامی کو کسی فرد یا کسی گروہ سے کوئی پرخاش نہیں، بلکہ اس کے لیے سب سے زیادہ پریشان کن یہ بات ہے کہ فرد بحیثیت فرد کے تو نیکی اور بھلائی کا طالب اور آرزومند ہو، اپنے خالق اور مالک کی غلامی کو اپنے لیے باعثِ سعادت سمجھتا ہو، لیکن جب یہ سارے افراد اجتماعی زندگی کی تعمیر کرنے لگیں تو پھر خدا سے بغاوت کی راہ اختیار کریں۔ وہ قوت جو انہیں باطل کی اس راہ پر زبردستی دھکیل کر لے جاتی ہے اس قوت کے خلاف جد و جہد دین کے قیام کے لیے بے حد ضروری ہے اور یہی وہ کام ہے جو جماعت اسلامی کر رہی ہے اور دوسروں کو کرنے کی دعوت دیتی ہے۔

طاغوت سے پنجہ آزمائی ہمارے نزدیک دنیا داری نہیں بلکہ عین ایمان ہے۔ ہم اس کی غیر معمولی قوت و

طاقت اور اس کے گہرے اثرات سے کبھی صرف نظر کرنے کے لیے تیار نہیں ہو سکتے۔ ہم ایمانداری سے یہ محسوس کرتے ہیں کہ دنیا میں خدا کی بندگی کی راہ میں یہی طاغوت حائل ہے اور اگر اسے اس راہ سے ہٹا دیا جائے تو انسان کی پوری زندگی نیکی، بھلائی، خداترسی سے معمور ہو سکتی ہے۔ جو لوگ اس کام کو دنیاداری کے کام اور اس نوعیت کی سیاسی سرگرمیوں کو دنیا پرستی کہہ کر ہدفِ تنقید بناتے ہیں انہیں اس حقیقت پر ٹھنڈے دل سے غور کرنا چاہیے کہ کیا اجتماعی زندگی کو اسلامی تعلیمات کے مطابق ڈھالنے کے لیے کوشش کرنا دین سے انحراف ہے؟ کیا طاغوت کی گرفت کو کمزور کرنے کی فکر کرنا دین سے بغاوت ہے؟ اور کیا اسلامی نظام کے قیام کے لیے فضا سازگار بنانا دنیا پرستی ہے؟

بات ختم کرنے سے پہلے ایک بات کی وضاحت ضروری ہے۔ بعض لوگ اجتماعی زندگی کے بارے میں جماعت اسلامی کے موقف کو دیکھ کر اس خدشہ کا بھی اظہار کرتے ہیں کہ غالباً اب یہ جماعت مغرب کے اُن نظریات کا اثر قبول کر چکی ہے جن کے مطابق فکر و نظر اور جذبہ و احساس کی تبدیلی صرف خارجی ماحول کے بدلنے سے ہی ہو سکتی ہے۔ حالانکہ ہم اس نظریے کو یکسر باطل سمجھتے ہیں اور اس بات کے قائل ہیں کہ محض خارجی حالات کے بدل دینے سے اندر کے انسان کو نہیں بدلا جا سکتا۔ ہم اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں کہ جب تک نیکی اور بھلائی کے احساسات انسان کے اندر سے نہ اُبھریں اس وقت تک خارجی تبدیلیاں قطعاً مؤثر ثابت نہیں ہوتیں۔ ہمارا موقف اجتماعیت پرستی کے نظریے سے بالکل مختلف ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ انسان کے اندر خیر اور بھلائی کے جو جذبات پیدا ہوں، انہیں لازمی طور پر اجتماعی زندگی میں بھی جلوہ گر ہونا چاہیے۔ اور جو قوتیں اس راہ میں حائل ہوں انہیں سرنگوں کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ ہم تبدیلی کے لیے وہی راستہ صحیح اور مؤثر سمجھتے ہیں جس کی قرآن مجید نے نشان دہی کی ہے کہ انسان کو اندر سے بھی بدلا جائے اور خارج میں وہ حالات بھی پیدا کیے جائیں جو صالح انسان تیار کرنے کیلیے درکار ہیں۔ اس بنا پر ہماری اجتماعی سرگرمیوں کو اجتماعیت کے جاہلی نظریے پر محمول کرنا سخت ناانصافی ہے۔ ہم اپنے کام کا آغاز انسان کی باطنی اصلاح سے کرتے ہیں۔ مگر ہم اس کے ساتھ یہ بھی چاہتے ہیں کہ باطنی اصلاح کے نشوونما کے لیے انسان کو سازگار ماحول میسر آئے اور جو قوتیں اس کام میں مزاحمت پیدا کریں انہیں راستہ سے ہٹا دیا جائے۔